کیا یہ حقیقت نہیں کہ بنی اسماعیل میں سے انکار کرنے والے مشرکین نے بھی ایمان لانے والوں کو کبھی یہ طعنہ نہیں دیا تھا کہ (معاذ اللہ) انہوں نے ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کے قِبۡلَةَ کو چھوڑ دیا تھا؟

قرآنِ مجید نے بتایا ہے کہ مکۃ المکرّمہ میں رسولِ کریم ﷺ کی دعوتِ حق کے نتیجے میں لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک وہ جنہوں نے عقل و برھان کے تقاضوں کے عین مطابق دعوت کو قبول کرلیا اور منزل کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ دوسرے وہ جنہوں نے آقائے نامدار ﷺ کو صادق اور امین جاننے اور ماننے کی بناء پر اقرار کرنے کے باوجود دعوت کو ٹھکرا دیا۔ ان حقائق کی موجودگی میں ایسا طرزِ عمل صرف ہٹ دھرمی، ضد، جھوٹی انانیت اور بغض کا اظہار تھا اور مفاد عاجلہ حقیقت کو تسلیم کرنے کی راہ میں رکاوٹ۔ ایسے لوگوں کے متعلق کھلم کھلا بتا دیا گیا کہ کسی بھی بات سے خبردار کرنا یا نہ کرنا ان کے لئے اہمیت نہیں رکھتا وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور یہ گروہ مخالفت پر اس قدر کمر بستہ ہو گیا کہ قتل کرنے کی سازشوں میں لگ گیا۔ اور جب آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ ایمان لانے والے انصار کی دعوت پر مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو رویوں اور روش کے حوالے سے ایک نئی طرز کے لوگوں کا ظہور ہوا۔ نفسیات، عادات اور رویوں کے حوالے سے انسان ایک رنگارنگ مخلوق ہے۔ حقیقت پر ایمان لے آنے والے جب ایک معاشرے میں ڈھل جاتے ہیں تو مفادات کے بھنور میں الجھے، ضد اور بغض کے مارے لوگوں میں سے خصوصاً بزدل مسلم معاشرے میں ایک نیا روپ دھار لیتے ہیں۔ قرآنِ مجید اپنی ابتدا میں نفسیات اور رویوں کے حوالے سے بات کو جاری رکھتے ہوئے ایسے لوگوں کا تعارف اور ان کی کچھ عادات یوں بیان فرماتا ہے وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَبِٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ وَمَا هُم بِمُؤۡمِنِينَ ﴿٨﴾

''اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ''ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے ہیں''۔
لیکن درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں'' (سورۃ البقرۃ۔۸)

وہ ایسا کیوں کرتے ہیں، کیا چاہتے ہیں! ایمان لانے کا اظہار شعوری طور اس خیال اور گمان سے کرتے ہیں
يُخَـٰدِعُونَ ٱللَّهَ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ''اللہ اور ایمان والوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں''۔ يُخَـٰدِعُونَ کا مادہ ''خ د ع'' ہے۔ اس کے معنی ہیں جو کچھ دل میں ہو اس کے خلاف ظاہر کرنا۔ کسی کے ساتھ چھپ کر برائی کرنا (تاج)۔ ابن فارس نے کہا کہ اس کے بنیادی معنی چھپانے اور مخفی رکھنے کے ہیں۔ خَدُوع اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو کبھی تو دودھ دے اور کبھی بالکل چڑھا جائے۔ ''خدع'' زندگی کی وہ روش ہے جس میں بظاہر کچھ بتایا جائے اور بباطن کچھ اور ہو۔ ایسا مفاد پرست جو اپنے آپ کو ایسا بنا کر دکھائے جیسا درحقیقت نہیں اور اس طرح معاشرے کو دھوکے میں رکھے۔ (معاشرے کے استحکام کیلئے ایسے لوگوں پر کبھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا)۔ صاحب محیط کے

نزدیک خدع کے معنی اس اخفاء اور پوشیدگی کے ہیں جس کا قبل از وقت اندازہ نہ لگایا جاسکے۔ یہ مفاد پرستانہ ذہنیت کا شیوہ ہوتا ہے۔ یہ اتنی باریک اور فلسفیانہ بات نہیں کہ سمجھ نہ آسکے کہ جو لوگ اس رویئے اور روش کا اظہار کرتے ہیں جو ان کی ذات اور دل کی ترجمان نہیں ہوتی وہ وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ کسی کو دھوکہ نہیں دیتے بلکہ حقیقت میں اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں لیکن مفاد کے پہلو سے ہٹ کر چونکہ کبھی کسی بات کے متعلق غور وفکر نہیں کرتے اس لئے وَمَا يَشْعُرُونَ۝ ''انہیں اس کا احساس (شعور) بھی نہیں ہو پاتا''۔(البقرۃ۔۹)

یہ کون لوگ ہیں جو اپنے تئیں اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں؟ قرآن مجید نے سورۃ النساء کی آیت ۱۴۲ میں اسے منافقین کا شیوہ بتایا إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ يُخَٰدِعُونَ ٱللَّهَ ''بیشک منافقین اپنے تئیں اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں''۔ قرآنِ مجید میں صرف منافقین کے متعلق یہ بات کہی گئی ہے کہ اللہ اور ایمان والوں کو اپنے تئیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیات ۸۔۹ میں کسی اور کے متعلق نہیں بلکہ صرف منافقین کی عادات اور روش کی اطلاعات بہم پہنچائی گئی ہیں۔

لفظ منافق کا مادہ 'ن ف ق' ہے۔ نفق اس سرنگ کو کہتے ہیں جس کے داخل ہونے اور نکلنے کے دونوں راستے کھلے ہوں (جس سرنگ میں نکلنے کا راستہ نہ ہو اسے سَرب کہتے ہیں)۔ جنگلی چوہے کے بل کے متعدد سوراخوں میں سے اس سوراخ کو کہتے ہیں جس پر وہ مٹی کی باریک سی پپڑی بچھا کر اسے بند رکھتا ہے اور اسے اس وقت سر مار کر کھول لیتا ہے جب اس کا دشمن اسے بل کے اندر پکڑنے کی کوشش کرے (تاج ومحیط وراغب)۔ نفق بنانے کے اغراض ومقاصد کو نظر میں رکھیں تو ایسے انسانوں کی ذہنیت، نفسیات اور کردار کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ نفق بزدلی اور دنیا وموقعہ پرستی کی عکاس ہے۔ حقائق اور سچائی سے دانستہ نظریں چرانے، سچ سے فرار اور جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔ منافقین کے متعلق پہلی بات یہ بتائی گئی ہے کہ دعویٰ کرتے اور کہتے ہیں کہ اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے ہیں۔ جو شخص، قبیلہ، گروہ مسلم بننے کا دعویٰ نہ کرے اسے کافر، یہودی، نصاریٰ، مجوسی، صائبین، مشرک یا جو چاہے کہیں لیکن منافق نہیں کہہ سکتے۔

قرآنِ مجید بیانِ حقیقت ہے۔ قرآنِ مجید اپنے زمانہ نزول کے لوگوں سے مخاطب تھا اور دنیا میں بکھرے اور روزِ قیامت سے قبل تک کے تمام لوگوں سے مخاطب ہے۔ یہ مکمل طور پر کاغذ پر پہلے سے لکھی ہوئی کتاب کی صورت میں نازل بھی نہیں فرمایا گیا۔ آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کے قلب مبارک پر بتدریج نازل فرمایا گیا۔ اور پھر نزول کے ساتھ ساتھ ترتیب دی ہوئی کتاب کے طور پر مرتب فرمایا گیا۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اسلئے کتاب کا دعویٰ ہے کہ اس میں تضاد اور اختلاف نہیں پایا جاتا نہ ان لوگوں کیلئے جنہوں نے نزول کے ساتھ ساتھ سنا اور نہ بعد کے زمان کے لوگوں کیلئے جنہوں نے اسے ترتیب دی ہوئی کتاب کے طور پر دیکھا، سنا اور پڑھا اور جن لوگوں تک ابھی یہ پہنچنا ہے۔

قرآنِ مجید میں کہی گئی بات ہر زاویے سے ہر سننے اور پڑھنے والے کیلئے مکمل اور پورا سچ ہے چاہے آقائے نامدار ﷺ کی مبارک زندگی میں مکۃ المکرّمہ اور مدینہ منورہ کا رہائشی ہو اور چاہے کسی بھی زمان اور مکان کا مکین ہو۔ کسی بھی معاشرے اور ملک میں دبے ہوئے اور محکوم لوگوں سے اپنی وابستگی کا اظہار کوئی نہیں کرتا۔ مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت سے قبل تیرہ سال کے طویل عرصے میں ایمان لانے والوں نے تمام ذہنی اور جسمانی صعوبتوں کو برداشت کیا تھا۔ وہ اکثریت میں نہیں بلکہ ایک کمزور اقلیت تھے۔ انہیں غلبہ و اقتدار بھی حاصل نہ تھا کہ کوئی ان کی خوشنودی اور حمایت حاصل کرنے کیلئے ان کے سامنے جھوٹ بول کر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا۔ اور یوں قرآنِ مجید نے منافقین کے متعلق اپنی پہلی ہی بات میں اعلان کر دیا کہ ہجرت سے قبل مکۃ المکرّمہ میں منافقین کا وجود نہیں تھا۔

البقرۃ کی آیت ۸ کی ابتدا کے الفاظ وَمِنَ ٱلنَّاسِ ''اور لوگوں میں سے'' کے متعلق اہم سوال یہ ہے کہ آیت مبارکہ کے نزول کے وقت یہ منافقین کن لوگوں میں سے تھے؟ مدینہ منورہ میں اس وقت بسنے والے شناخت، پہچان اور تعارف کے حوالے سے تین طرح کے لوگ تھے یعنی اول مہاجر (بنی اسماعیل کے افراد) جو مکہ کے ان لوگوں پر مشتمل تھے جو ایمان لانے کے تیرہ سال بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ اور دوم انصار جو ایمان لے آئے تھے اور جنہوں نے دعوت دے کر مہاجرین کو مدینہ بلایا اور سر آنکھوں پر بٹھایا تھا۔ اور سوم اہل یہود کے لوگ۔ مدینہ منورہ کے ان تین مختلف شناخت اور انفرادیت کے حامل لوگوں میں سے وہ کون تھے جن سے منافقین کا تعلق تھا؟ اس سوال کا جواب سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۔۱۴ میں ہے۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ءَامِنُوا۟ كَمَآ ءَامَنَ ٱلنَّاسُ ''اور جب ان (منافقین) سے کہا جاتا ہے کہ ''ویسے ایمان لاؤ جیسے لوگ ایمان لائے ہیں''۔ کیا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ مدینہ منورہ میں مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آنے والے اہل ایمان یا انصار میں سے کسی کو کوئی شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ ''ایسے ایمان لاؤ جیسے لوگ لائے ہیں''؟ جواب یقیناً نفی میں ہے۔ مکہ کے لوگوں میں سے ایمان لانے والوں نے بعثت نبوی ﷺ کے تیرہ سال بعد مدینہ منورہ ہجرت کی تھی اس لئے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ صحیح انداز میں ایمان لانے کا کوئی انہیں بھی کہہ سکتا تھا جو تمام رشتے ناطے توڑ کر اور گھر بار چھوڑ کر دیارِ غیر میں آن بسے تھے۔ اور نہ انصار میں سے کسی کو یہ کہا جا سکتا تھا جو مکہ جا کر ایمان لائے اور جنہوں نے رسول کریم ﷺ اور ایمان والوں کو دعوت دے کر مدینہ بلایا تھا۔ پھر وہ کون تھے جنہیں یہ بات کہی جاتی تھی؟ یوں واضح ہے کہ مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودیوں کی تقسیم کچھ اس طرح ہو گئی تھی:

(۱) ان میں سے کچھ ایمان لے آئے تھے اور جماعتِ مومنین میں شامل ہو گئے تھے۔ (ان کی مثال دے کر منافقین کو ان جیسا ایمان لانے کا کہا جاتا تھا) (۲) دوسرے وہ تھے جو یہودیت پر سختی سے قائم تھے اور

(۳) تیسرے وہ تھے وَإِذَا لَقُوا۟ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا جو ملاقات پر مومنوں سے کہتے تھے کہ ''ہم ایمان لے آئے ہیں'' اور خلوت میں اپنے سرکردہ یہودیوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے کہتے تھے ''ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ ان کے ساتھ تو ہم ہنسی مذاق ہی کرتے ہیں''۔ (حوالہ البقرۃ ۔۱۴)

قرآنِ مجید نے زمانہ نزول کے حوالے سے اس تیسری قسم کے یہودیوں کو منافق قرار دیا ہے۔ مدینہ کے یہودیوں میں سے منافقت کا لبادہ اوڑھنے والوں کے رویئے اور طرزِ عمل کے بارے میں بتایا کہ ملاقات پر جب ایمان والا کوئی شخص ان کے ایمان کا دعویٰ کرنے پر کہتا کہ ''ایسے ایمان لاؤ جیسے لوگ لائے ہیں'' تو ان کا جواب ہوتا تھا قَالُوٓاْ أَنُؤۡمِنُ كَمَآ ءَامَنَ ٱلسُّفَهَآءُ ''انہوں نے کہا'' کیا ہم ایسے ایمان لائیں جیسے بیوقوف ایمان لائے ہیں؟'' سوال یہ ہے کہ اس مکالمے میں منافقین کا روئے سخن اور اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے؟ کیا ان کی طرف جو لگ بھگ تیرہ سال سے ایمان پر قائم تھے اور الگ شہر، الگ قوم اور الگ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے یا وہ اپنی قوم کے ان لوگوں کو بیوقوف سمجھتے اور کہتے تھے جو دعوت ملنے پر مدینہ میں نئے نئے ایمان لائے تھے؟ عام فہم بات ہے کہ بیوقوف اپنی نظر میں اپنوں میں سے بیوقوف اسے سمجھتے ہیں اور طنز اسی پر کرتے ہیں جو اپنے باپ دادا کی روایات سے ہٹے۔ اس گفتگو میں تین طرح کے لوگوں کا حوالہ ہے ایک وہ جو کہتے تھے دوسرے وہ جن سے کہا جاتا تھا تیسرے وہ جن کی مثال دے کر ان جیسا ایمان لانے کا کہا جاتا تھا جنہیں وہ جن سے کہا جاتا تھا بیوقوف سمجھتے تھے۔ اس سے واضح ہے کہ اہل یہود میں سے ایسے اشخاص بھی تھے جو صحیح طریقے پر ایمان لے آئے تھے اور انہی کے ایمان کی مثال دے کر ایمان کے ان جھوٹے دعویداروں کو ان جیسا ایمان لانے کا کہا جاتا تھا۔ ہجرت سے پہلے مکہ میں منافقین کا وجود نہیں تھا اور پہلی مرتبہ مدینہ منورہ میں اہل یہود میں سے بعض لوگوں نے منافق کا روپ دھارا۔ دنیا میں پہلی بار یہ رسوائی بھی بنی اسرائیل کے لوگوں کے حصے میں آئی۔

اللہ رب العزت نے فیصلہ سنایا أَلَآ إِنَّهُمۡ هُمُ ٱلسُّفَهَآءُ وَلَـٰكِن لَّا يَعۡلَمُونَ٥ ''خبردار! حقیقت میں وہ خود بیوقوف ہیں لیکن جانتے نہیں'' (حوالہ البقرۃ ۔ ۱۳)۔ قرآنِ مجید نے مدینہ کے یہودیوں سے تعلق رکھنے والے منافقین کو ٱلسُّفَهَآءُ یعنی بیوقوف کہا ہے۔

قرآنِ مجید میں پہلی مرتبہ ٱلسُّفَهَآءُ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳ میں آیا ہے اور یہ مدینہ منورہ میں یہودیوں میں سے منافق یعنی ایمان لانے کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مادہ ''س ف ہ'' ہے اور اس کے معنی عقل کا ہلکا پن، نادانی، جہالت، بیوقوفی، حماقت ہیں۔ لیکن اس مادہ کے بنیادی معنی حرکت اور اضطراب کے بھی ہیں (جو کم عقلی کی علامت بھی ہے)۔ قرآنِ مجید میں دوسری بار یہ البقرۃ کی آیت ۱۳۰ میں استعمال ہوا وَمَن يَرۡغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبۡرَٰهِـۧمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفۡسَهُۥ ''اور کون مِلّتِ ابراہیم (علیہ السلام) سے گریز کر سکتا ہے سوائے اس کے جو اپنے آپ کو احمق بنائے؟'' (حوالہ البقرۃ ۱۳۰)۔

مِّلَّةِ إِبْرَٰهِـۧمَ سے دانستہ باہر نکل کر اور اس سے گریز کر کے بنی اسحاق حماقت کا مظاہرہ تو کر ہی چکی تھی۔ اور آقائے نامدار ﷺ کی دعوت پر ان میں سے ایمان لانے والوں کیلئے بھی ٱلْكَعْبَةَ کو قِبْلَةً مقرر کر دیا گیا تا کہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ کون آقائے نامدار ﷺ کی اتباع پر قائم رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ اتباع پر قائم رہنے والوں کو ہمارا اسلام ہو۔ ان جلیل القدر ایمان والوں کے متعلق منافقین باتیں بناتے تھے سَيَقُولُ ٱلسُّفَهَآءُ مِنَ ٱلنَّاسِ ''لوگوں میں سے بیوقوف آپس میں کہیں گے۔ مَا وَلَّىٰهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ ٱلَّتِى كَانُوا۟ عَلَيْهَا ۚ '' کس بات نے انہیں اپنے اُس قِبْلَةَ سے پلٹا دیا ہے جس پر وہ ماضی میں تھے؟''

قرآنِ مجید میں یہ تیسرا مقام ہے جہاں ٱلسُّفَهَآءُ استعمال ہوا ہے۔ حرف ''ال'' کی باریکیوں اور پیچیدگیوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں کہ اس کے ذریعے یہ بات طے کی جائے کہ یہاں ٱلسُّفَهَآءُ سے مراد تمام بیوقوف ہیں یا جانے پہچانے بیوقوفوں کا یہ قول ہے۔ بات قِبْلَةَ کی ہو رہی ہے اور یہود و نصاریٰ کے علاوہ دنیا کی کسی بھی قوم (مجوسی، پارسی، ہندو، دہریہ، بدھ مت وغیرہ وغیرہ) کے بیوقوفوں کو کسی بھی قِبْلَةَ میں کوئی دلچسپی ہے اور نہ کسی کے قِبْلَةَ تبدیل کرنے سے انہیں پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ آپس میں بیٹھ کر اس کی وجہ پر سوچ بچار کریں۔ قرآنِ مجید نے اس مقام سے قبل ہی ٱلسُّفَهَآءُ کی واضح طور پر شناخت کرا دی ہے کہ وہ منافقین ہیں اور مِـلَّةِ ابراہیم سے گریز کرنے والے شخص کو احمق قرار دیا ہے جس سے واضح ہے کہ بنی اسماعیل میں سے ایمان لانے والوں کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں کہ انہوں نے تو زمانہ جہالت میں بھی ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کو اپنی محبتوں اور چاہتوں کا محور بنائے رکھا تھا۔

سورۃ البقرۃ کی یہ آیت مبارکہ ۱۴۲ سَيَقُولُ سے شروع ہوئی ہے۔ عربی زبان میں فعل مضارع حال اور مستقبل دونوں زمانے اپنے اندر رکھتا ہے اور اس سے پہلے اگر حرف ''س'' آئے تو صرف مستقبل کے معنی باقی رہتے ہیں۔ آئمہ لغت کے مطابق ''س'' عموماً مستقبل قریب کے معنی دیتا ہے اور بعض کے نزدیک استمراری (ہمیشگی) کا مفہوم بھی پیدا کرتا ہے۔ اس طرح سَيَقُولُ کے معنی ہیں ''عنقریب کہیں گے'' اور حرف ''س'' کے استمراری مفہوم میں معنی یہ ہوں گے ''کہتے رہیں گے''۔ قرآنِ مجید اللہ کی آخری کتاب ہے جو لوگوں کے لئے روزِ آخر تک علم، ہدایت اور راہنما ہے۔ اس کے اندازِ بیان اور الفاظ کے چناؤ میں وہ کمال ہے کہ زمانہ نزول کے لوگوں سے انہی کے بارے میں بات کرتے ہوئے ہر زمان کے قاری کیلئے بھی ایک اصولی بات، حقیقت بیان کر دیتا ہے۔ اس نکتے کی وضاحت ذرا آگے چل کر ملے گی کہ یہ لفظ اس زمانے کی حقیقت ''عنقریب منافقین کہیں گے'' کے ساتھ ہمیشہ پیش آنے والی یہ حقیقت بھی بیان کر رہا ہے کہ ''بیوقوف کہتے رہیں گے''۔

سے مختلف بات کہی ہے یعنی سَيَقُولُ ٱلسُّفَهَآءُ مستقبل میں بیوقوف کہیں گے (کہتے رہیں گے) ۔ اور قبلہ کس نے تبدیل کرنا ہے ؟ کیا کوئی مسلمان کعبہ سے پھر سکتا ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے ۔ اور فرض کریں اگر کوئی مسلمان اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لیتا ہے تو کیا اس کے جاننے والے مسلمان آپس میں یہ جملہ کہیں گے ''اسے کس بات نے اس قبلہ سے پھیر دیا ہے جس پر وہ تھا؟'' یقیناً نہیں کہیں گے کیونکہ قرآنِ مجید نے بتایا ہے کہ یہ جملہ ٱلسُّفَهَآءُ کہیں گے اور مسلمان ''بیوقوف'' نہیں ہیں ۔ لیکن کیا کوئی عیسائی یا یہودی اپنے قبلہ سے پھرے بغیر دائرہ اسلام میں داخل ہو سکتا ہے ؟ اس کا جواب بھی یقیناً نفی میں ہے ۔ اگر آج یہودیوں اور نصاریٰ میں سے کوئی اصل کی طرف لوٹتے ہوئے مسلم بنتے ہیں تو کیا ان کی قوم اور برادری کے ''بیوقوف'' اپنا قبلہ تبدیل کرنے کا طعنہ نہیں دیں گے، ان پر پھبتی اور جملہ نہیں کسیں گے کہ 'کس بات نے انہیں اس قبلہ سے پھیر دیا ہے جس پر وہ تھے'؟ آیت مبارکہ سے یہ ظاہر ہے کہ وہ ایسا کریں گے ۔

ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ آئمہ تفسیر اس بات پر متفق ہیں کہ ''قرآنِ مجید میں ٱلْكَعْبَةَ کو چھوڑ کر بیت المقدس کو قِبْلَةَ بنانے کا حکم نہیں ہے'' اور اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار ﷺ سے یہ فرمانے کیلئے بھی کہا تھا جو انہوں نے سنا دیا

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ

''آپ (ﷺ) کہہ دیں'' کیا تم نے غور کیا ہے کہ اگر یہ قرآنِ (مجید) اللہ کی طرف سے ہو

ثُمَّ كَفَرْتُم بِهِۦ اور پھر تم نے اس کا انکار کیا

مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِى شِقَاقٍۭ بَعِيدٍ ۝

تو اُس سے بڑا گمراہ کون ہو سکتا ہے جو دور ضد میں پڑا ہو'' (سورۃ فصلت ۔۵۲) ۔

بنی اسماعیل میں سے ایمان نہ لانے والے مشرکین نے بھی ایمان لانے والوں کو یہ طعنہ کبھی نہیں دیا تھا کہ (معاذ اللہ) انہوں نے ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کے اس قِبْلَةَ کو چھوڑ دیا جس کے متعلق آقائے نامدار ﷺ کے جلیل القدر دادا سیدنا عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابرہہ سے کہا تھا کہ کعبہ کوئی لاوارث نہیں کہ وہ اسے ڈھا سکے اور کہا تھا کہ میرے اونٹ واپس کر اور تو جانے اور بیت اللہ کعبہ کا رب جانے ۔ سیدنا عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان اور یقین پر رشک آتا ہے ۔ انہیں ہمارا اسلام ہو ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مدینہ منورہ میں اپنی قوم کے ان لوگوں پر جنہوں نے اپنے قِبْلَةَ سے پلٹ کر کعبہ کو قِبْلَةَ مان لیا تھا منافقین طنز کرنے سے باز نہ رہ سکے تو بنی اسماعیل کے ایمان لانے والوں نے اگر مکہ میں (معاذ اللہ) کعبہ کو چھوڑ کر ''بیت المقدس'' کو قِبْلَةَ بنایا ہوتا تو کیا اہلِ مکہ نے اس وقت باپ دادا کا قِبْلَةَ چھوڑنے کا انہیں طعنہ نہیں دینا تھا؟ قرآنِ مجید سے شہادت نہیں ملتی کہ ایمان والوں کو مشرکینِ مکہ نے ایسا کوئی طعنہ دیا تھا ۔ قرآنِ مجید میں واضح طور پر ہمیں وہ باتیں ملتی ہیں جو مشرکین مکہ کہا کرتے تھے جن کا جواب بھی دیا گیا ہے ۔

اس جواب سے بھی واضح ہے کہ اَلسُّفَهَآءُ نے یہ بات ایک زمانے تک مشرق اور مغرب کو قِبۡلَةَ ماننے والوں کے متعلق کہی تھی جنہوں نے ان سمتوں سے پلٹ کر اَلۡكَعۡبَةَ کو قِبۡلَةً مان لیا تھا اور اس پر ثابت قدم تھے۔ منافقین کے اس قول کا بنی اسماعیل کے افراد سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ ایمان لانے سے قبل ''زمانہ جہالت'' میں بھی اہلِ مکہ کو مشرق و مغرب سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے۔ یہ محض بنی اسماعیل اور اس وقت مدینہ منورہ میں بسنے والے یہود و نصاریٰ کیلئے نازل نہیں فرمایا گیا تھا۔ یہ آخری ساعت تک ہر اس انسان کیلئے نازل فرمایا

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانُ لِأُنذِرَكُم بِهِۦ وَمَنۢ بَلَغَۚ (آپ ﷺ فرمائیں)''اور یہ قرآنِ مجید میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے میں تمہیں بھی خبردار کروں اور انہیں بھی جنہیں قرآنِ مجید پہنچے'' (حوالہ الانعام۔۱۹)

زمان میں روایتوں اور کہانیاں کا رواج نوح علیہ السلام کی قوم سے لے کر گلوبل ویلیج کے باسیوں میں بھی رائج ہے۔ لیکن قرآنِ مجید کے متعلق گمان، ظن، قیاس، تخیل اور تصور پر مبنی باتوں اور روایتوں کی حیثیت زمان میں بار بار دہرائے جانے کے باوجود پانی پر ابھر آنے والے جھاگ سے زیادہ نہیں ہے کہ آخر انہیں مٹ جانا ہے کیونکہ قرآنِ مجید کا ہر لفظ حقیقت ہے اور غالب رہے گا

وَإِنَّهُۥ لَكِتَٰبٌ عَزِيزٌ

''اور بیشک یہ تو ایک غالب کتاب ہے''

لَّا يَأۡتِيهِ ٱلۡبَٰطِلُ مِنۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهِۦۖ تَنزِيلٌ مِّنۡ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝٤٢

اس میں باطل نہ اس کے آگے (زمانہ قبل) سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے (بعد نزول زمانے) سے۔

ایک حکمت والے اور صاحب تعریف کی جانب سے اتاری ہوئی ہے'' (فصلت۔۴۱،۴۲)

قرآنِ مجید نے آقائے نامدار ﷺ پر ایمان لانے والے بنی اسماعیل کے علاوہ تمام اقوام کے لوگوں کیلئے بھی کعبہ معظمہ کو قِبۡلَةً مقرر کئے جانے اور یہود و نصاریٰ میں سے اپنے مشرق اور مغرب کے قبلہ کو چھوڑ کر اَلۡكَعۡبَةَ کی جانب پلٹنے والوں کے متعلق مستقبل میں بیوقوفوں کی مجلس میں کی جانے والی بات کے متعلق اطلاع دی ہے اور بتایا ہے کہ ان کی بات کا جواب کیا دینا ہے۔ سَيَقُولُ کے معنی اور مفہوم یہ ہے کہ مستقبل میں کہیں گے اور استمراری معنوں میں مفہوم یہ ہے کہ کہتے رہیں گے۔ یہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والی بات کی خبر ہے۔ مدینہ منورہ میں جس وقت یہ خبر دی گئی تھی تو اس کے بعد منافقین نے وہ بات کہہ بھی دی ہوگی۔ کیا یہ ایک انفرادی واقعہ تھا کہ خبر وقوع پذیر ہوگئی اور معاملہ ختم ہوگیا؟ اگر کوئی جواب ہاں میں دیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں، یہودیوں اور نصاریٰ میں سے کوئی بیوقوف آئندہ یہ بات نہیں کہے گا۔ لیکن ہم اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ قرآنِ مجید نے دوٹوک انداز میں اس

آیت مبارکہ میں ٱلسُّفَهَآءُ سے ان لوگوں کا حوالہ دینا مقصود ہوتا جنہیں عمومی طور پر معاشرے میں بیوقوف کہا یا سمجھا جاتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں 'من الناس' کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ من الناس (لوگوں میں سے) کہنے سے بھی واضح ہے کہ جو اطلاع، خبر اس آیت میں دی گئی ہے وہ متعین، مخصوص، جانے پہچانے بیوقوف اشخاص سے متعلق تھی۔

سَيَقُولُ ٱلسُّفَهَآءُ مِنَ ٱلنَّاسِ ''عنقریب لوگوں میں سے بیوقوف کہیں گے''۔ اہم سوال یہ ہے کہ یہ بیوقوف کن لوگوں میں سے تھے؟ کیا مہاجرین میں سے کسی کو معاذ اللہ ٱلسُّفَهَآءُ میں سے گمان کیا جا سکتا ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے۔ کیا انصار میں سے کسی کو معاذ اللہ ٱلسُّفَهَآءُ میں سے گمان کیا جا سکتا ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے۔ وہ سب تو ٱلسَّٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ ہیں (حوالہ التوبہ۔۱۰۰)۔ قرآنِ مجید نے دوٹوک انداز میں بتایا ہے کہ ان منافقین کا تعلق یہودیوں سے تھا۔ اوران ٱلسُّفَهَآءُ یعنی منافقین کے متعلق یہ بھی بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر ان کے رسول ہونے کی شہادت بھی دیتے تھے (حوالہ المنافقون۔۱)۔

اب تک کی گفتگو سے ان الفاظ سَيَقُولُ ٱلسُّفَهَآءُ مِنَ ٱلنَّاسِ کا مفہوم زمانہ نزول کے حوالے سے یہ سامنے آیا ہے کہ ''عنقریب یہود میں سے (منافق کا روپ دھارنے والے) بیوقوف کہیں گے'' اور استمراری حوالے سے اس کے معنی یہ بنیں گے کہ 'لوگوں میں سے بیوقوف کہتے رہیں گے''۔

جو بات منافقین (بیوقوف) کہیں گے وہ یہ ہے مَا وَلَّىٰهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ ٱلَّتِى كَانُوا۟ عَلَيْهَا ''کس بات نے انہیں اُس قِبْلَةَ سے پھیر دیا ہے جس پر وہ تھے؟'' آنے والے کل میں وہی بات کہی جاتی ہے جو آج یا گزرے کل میں وقوع پذیر ہو چکی ہو۔ اس طرح واضح ہے کہ جب یہ بات بتائی گئی تو اس وقت بنی اسماعیل کے کعبہ کو تمام جہان والوں کیلئے قبلہ مقرر کیا جا چکا تھا۔ اور اس بات سے تو کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ اُس وقت منافقین مدینہ منورہ میں یہ بات کر رہے تھے۔ اگر آپ مجھ پر یہ اعتراض کریں کہ مجھے کس بات نے جنوب کے قبلہ سے شمال کے قبلہ پر پھیر دیا ہے یا شمال کے قبلہ سے جنوب کے قبلہ پر پھیر دیا ہے تو کیا آپ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ میں جواب میں یہ کہوں گا کہ مشرق اور مغرب اللہ کیلئے ہیں؟ مدینہ منورہ میں ٱلْكَعْبَةَ اور مسجد اقصیٰ کو مشرق اور مغرب سے قطعی کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ ٱلْكَعْبَةَ مدینہ منورہ کے جنوب میں ہے اور مسجد اقصیٰ اس کے شمال میں ہے۔ دنیا میں صرف تین قومیں ہیں جن کا قبلہ ہے یعنی بنی اسماعیل، یہود اور نصاریٰ۔ اور ٱلسُّفَهَآءُ یعنی منافقین کو ان کی بات کا یہ جواب دیا گیا ہے۔

قُل لِّلَّهِ ٱلْمَشْرِقُ وَٱلْمَغْرِبُ ''آپ (ﷺ) کہیں کہ مشرق اور مغرب اللہ کیلئے ہیں''۔